منیر احمد قریشی (منو بھائی) کی ادبی خدمات

ڈاکٹر ثوبیہ اسلم☆

Literary Services of Muneer Ahmed Qureshi (Munu Bhai)

Dr. Sobia Aslam

Abstract:

Munnu Bhai is an extremely multi-talented and creative man. As well as being a playwright and dramatist, his Punjabi poetry is believed to be as one of the best works in Punjabi literature and poetry. He contributed a number of columns under the title of "گریبان" in Daily Urdu newspapers Imroze, Musawat and Jang. His columns speak volumes for the poor people and suffering of the Pakistan. He was also the chairperson of the Sundas Foundation. Although, most of the work is addition in Urdu literature, butoccasionally he has contributed in his mother tongue (Punjabi) under the influence of his family background. Through this paper his contribution in Punjabi poetry is being highlighted.

Key words:

کلیدی الفاظ:

منو بھائی، نظم، امروز، ماہنامہ ''پھول''، اجے قیامت نہیں آئی۔

شاہجہاں کے زمانے میں حکیم علیم الدین المقلب بہ وزیر خان نے وزیر آباد شہر کی بنیاد رکھی۔ جس کی مردم خیز مٹی نے مولانا ظفر علی خاں، کرشن چندر، عطاء الحق قاسمی، رضیہ بٹ، سلیم کاشر، زاہد مسعود، منظور وزیر آبادی اور طاہر وزیر آبادجیسی ادبی شخصیات کو جنم دیا۔ ان میں سے درخشندہ ستارہ منیر احمد قریشی (منو بھائی) ۱۹ جنوری ۲۰۱۸ء کو عالم فنا سے دار البقا کی جانب کوچ کر گیا۔ یہ چھوٹا سا شہر جہاں شاعروں اور ادیبوں کی وجہ سے مشہور ہوا وہاں پر سول سروس میں آنے والے لوگ بھی آج تک

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ پنجابی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

عوامی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ منو بھائی اس چھوٹے سے شہر میں ۶ فروری ۱۹۳۳ء کو پیدا ہوئے، ان کے دادا غلام حیدر قریشی امام مسجد تھے جن کا ذریعہ معاش فن کتابت اور جلد سازی تھا۔ وہ شاعری بھی کرتے تھے۔[۱] انہوں نے اپنے دادا کی گود میں بیٹھ کر ہیر رانجھا، سسی پنوں، سوہنی مہینوال، مرزا صاحباں اور یوسف زلیخا کے قصے اور الف لیلیٰ کی کہانیاں سنیں، جس نے ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو جلا بخشی۔ فیصل آباد کے معروف شاعر و ادیب افضل احسن رندھاوا کے مطابق الف لیلیٰ کا مطالعہ کہانی کی بنتر کے لئے ممد و معاون ثابت ہوتا ہے اور ہر بڑے لکھاری نے الف لیلیٰ کا مطالعہ ضرور کیا ہوتا ہے۔ منو بھائی کے والد محمد عظیم قریشی ریلوے کے ملازم تھے، جو بعد میں اسٹیشن ماسٹر بنے۔ خود منو بھائی نے قائم نقوی کو ایک انٹرویو میں بتایا کہ میری پہلی ملازمت ریلوے ہی کی تھی جو صرف ایک ماہ بعد میں نے چھوڑ دی۔[۲] پاکستان ٹیلی ویژن کے ایک حالیہ نشریہ پروگرام ''کھوئے ہوؤں کی جستجو'' میں اپنی زبان میں لکنت کی وجہ بیان کرتے ہوئے منو بھائی نے بتایا کہ ابھی وہ تین چار سال کے ہی تھے جب ان کے سخت مزاج والد نے ان کی والدہ کو تھپڑ مارا، جس سے ان کو اتنا صدمہ پہنچا کے ان کی قوت گویائی متاثر ہوئی اور انہوں نے عام بچوں کی نسبت بڑی عمر میں بولنا شروع کیا تو زبان میں لکنت تھی جس کا اثر ہمیشہ ان کے بولنے میں رہا۔ اپنی ماں سے محبت کے حوالے سے قائم نقوی کو بتاتے ہوئے منو بھائی نے کہا:

> ''میں نے جس پیار کو شدت سے محسوس کیا ہے، وہ میرا پیار نہیں تھا۔ میری ماں کا مجھ سے پیار تھا اور یہ پیار بے پناہ تھا۔۔۔ میری تحریروں میں اگر کسی کو انسان اور انسانیت، نیکی اور خلوص، پیار اور محبت سے پیار دکھائی دیتا ہے تو یہ میرا نہیں اس دودھ کا ہے جو میری رگوں میں، میری روح میں اور میرے ذہن میں ہے۔''[۳]

جہاں تک منیر احمد قریشی سے منو بھائی بننے کا تعلق ہے اس بارے میں قائم نقوی کو ایک انٹرویو میں خود بتاتے ہیں کہ میری ابتدائی تحریریں 'منیر بن عظیم' کے نام سے چھپیں، تاہم 'منو بھائی' کا نام مجھے احمد ندیم قاسمی صاحب نے دیا، جبکہ میری پہلی پنجابی نظم ''امروز'' میں اسی نام سے شائع ہوئی اور یوں میں منیر احمد قریشی سے منو بھائی بن گیا۔[۴] جبکہ روزنامہ 'جنگ' کے ادبی صفحہ پر 'قرطاس ادب'' کے عنوان سے فاضل جمیلی نے نام کی ایک اور روایت اس طرح بیان کی ہے کہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ منو بھائی کا قلمی نام انہیں احمد ندیم قاسمی نے دیا لیکن مرزا حامد بیگ کا کہنا ہے کہ یہ نام انہیں ڈاکٹر غلام جیلانی برق نے اس وقت دیا جب وہ کیمبل پور اٹک میں فرسٹ ائیر کے طالب علم تھے۔ فتح محمد ملک بھی

اسی کالج میں پڑھتے تھے۔ ڈاکٹر غلام برق نے منیر احمد قریشی کو منو بھائی اور فتح محمد ملک کو فتو بھائی کا نام دیا۔ ان دونوں کی ابتدائی تحریریں انہیں دو قلمی ناموں سے کالج کے میگزین ''مشعل'' میں شائع ہوا کرتی تھیں۔ (۵) جب انہوں نے ''امروز'' کے ادبی ایڈیشن کے لئے اپنی ایک پنجابی نظم بھجوائی تو قاسمی صاحب نے ان کا اصل نام کاٹ کر منو بھائی لکھ دیا، انہوں نے بھی اس نام کی عزت بڑھائی۔ (۶) لہٰذا زیادہ معتبر حوالہ وہی ہے جو منو بھائی نے ''اجے قیامت نئیں آئی'' کے دیباچہ میں خود لکھا ہے:

> ''کیمبل پور توں راولپنڈی آ کے میں اپنیاں کجھ پنجابی نظماں ''امروز'' دے اوس ویلے دے ایڈیٹر احمد ندیم قاسمی صاحب نوں بھیجیاں تے اوہناں ایہہ نظماں 'امروز' وچ چھاپیاں تے مینوں منیر احمد قریشی توں منو بھائی بنایا۔ ایہہ ناں مینوں میرے کلاس فیلو تے دوست عنایت الٰہی ملک نے دتا سی جنہوں میں کوشلیا نال اپنی دوستی دا قصہ سنایا سی تے ایہہ دسیا سی پئی کوشلیانوں گھر وچ ''مُنّیؔ'' کہیا جاندا سی۔ عنایت نے ''مُنّیؔ'' دا ''مُنّو'' بنایا تے نال بھائی لا دتا۔ ایس گل دا قاسمی صاحب نوں وی پتہ سی جنہاں مینوں منو بھائی بنایا تے میں منو بھائی بن گیا۔'' (۷)

پڑھے لکھے گھرانے سے تعلق انہیں وراثت میں ملا تھا۔ پنجابی کے معروف شاعر شریف کنجاہی ان کے ماموں تھے جو دریائے چناب کے اُس پار کنجاہ کے علاقے میں رہائش پذیر تھے۔ ۱۹۴۷ء میں میٹرک کے بعد وہ گورنمنٹ کالج کیمبل پور اٹک آ گئے، وہاں غلام جیلانی برق، پروفیسر عثمان اور مختار صدیقی جیسے اساتذہ سے انہیں پڑھنے کا موقع ملا اور یہیں سے ان کی پنجابی شاعری کا آغاز بھی ہوا۔ حسان خالد کے مطابق منو بھائی کے خاندان میں ہر دوسری نسل میں کوئی نہ کوئی شاعر ہوتا تھا۔ شریف کنجاہی کی وساطت سے ان کا احمد ندیم قاسمی اور دوسرے لوگوں سے تعلق بن گیا اور اس طرح وہ شاعروں کے حلقے میں داخل ہو گئے۔ (۸)

والد نے انہیں ریلوے میں بھرتی کروانا چاہا، ریلوے کی ملازمت سے بھاگا ہوا منیر احمد قریشی صحافت کے ساتھ تعلق کی وجہ بیان کرتے ہوئے قائم نقوی کو ایک انٹرویو میں بتاتا ہے کہ صحافت کا شوق مجھے بہت پرانا تھا۔ ساتویں آٹھویں جماعت میں تھا جب میری کہانیاں بچوں کے رسالوں ''پھول''، ''ہدایت'' اور ''تعلیم و تربیت'' میں چھپتی تھیں۔ یہی تعلق انہیں ۱۹۵۵ء میں راولپنڈی لے گیا اور موصوف نے روزنامہ 'تعمیر' میں پروف ریڈر کی ملازمت اختیار کر لی اور ساتھ ہی ساتھ روزنامہ ''تعمیر''،

راولپنڈی سے ہی انہوں نے ۱۹۵۶ء میں اور ''اوٹ پٹانگ'' کے عنوان سے کالم نویسی کا آغاز کیا۔ یہ کالم بعد میں ''دید شنید'' کے عنوان میں بدل گیا۔ ۱۹۵۸ء میں احمد ندیم قاسمی صاحب انہیں ''تعمیر'' سے ''امروز'' میں لے آئے جہاں امروز کی نامہ نگاری ملنے پر ہفتہ وار ''پنڈی نامہ'' لکھنا شروع کیا۔ یہ سلسلہ ۱۹۷۰ء تک چلتا رہا۔ ۱۹۵۹ء میں ''امروز'' کا سٹاف رپورٹر بن گیا۔ ۱۹۷۰ء میں اس وقت کے وزیر اطلاعات جنرل شیر علی کے حکم پر جسٹس ایس اے رحمان نے جو پریس ٹرسٹ کے چیئرمین تھے انہیں راولپنڈی سے ملتان تبدیل کر دیا۔ امروز ملتان میں ان کا کالم ''ملتانیات'' کے عنوان سے چھپتا رہا۔ یکم جولائی ۱۹۷۰ء کو انہوں نے مساوات کی چیف رپورٹری اور کالم نگاری سنبھالی اور ۷ جولائی ۱۹۷۰ء سے ''گریبان'' کا آغاز کیا۔(۹) ''گریبان'' کے اس عنوان کا موجب یہ شعر بنا۔

راستے بند کئے دیتے ہو دیوانوں کے
ڈھیر لگ جائیں گے بستی میں گریبانوں کے

حکومت سے صحافیوں کے معاوضے کے جھگڑے پر ان کا تبادلہ سزا کے طور پر ملتان ''امروز'' میں کر دیا گیا، جہاں سے ذوالفقار علی بھٹو انہیں ''مساوات'' میں لے آئے۔ پھر ''مساوات'' سے ''جنگ'' لاہور میں آ گئے۔ کچھ عرصہ دوسرے اخبارات میں بھی کام کیا۔ غربت، عدم مساوات، ملٹی نیشنل کمپنیوں کی اجارہ داری، خواتین کا استحصال اور عام آدمی کے مسائل منو بھائی کے کالموں کے موضوعات رہے۔ خاص طور پر انہوں نے اپنے دوستوں کے انتقال پر جو کالم لکھے، ان کے پُر درد اسلوب کی وجہ سے ان کالموں کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس سے پہلے عطیہ فیضی کے انتقال پر لکھے ہوئے کالم پر بھی ان کو پذیرائی ملی تھی اور اس کالم کا انگریزی میں ترجمہ بھی ہوا۔ اپنے دوستوں پر لکھے ہوئے کالموں سے متعلق ان کا کہنا ہے:

''اصل میں ان کالموں میں صرف یہ نہیں ہے کہ ان کے انتقال پر افسوس کیا گیا ہو۔ بلکہ میں نے لوگوں کو یہ بھی بتانے کی کوشش کی کہ ان کے انتقال سے معاشرے کو کیا نقصان ہوا ہے اور وہ کون سی خوبیاں تھیں جن سے ہم محروم ہو گئے ہیں۔''(۱۰)

منو بھائی کا کالم ''گریبان'' روزنامہ امروز میں اسی صفحہ پر چھپتا تھا جہاں احمد ندیم قاسمی کے کالم ''حرف وحکایت'' جو ''عنقا'' کے نام سے شائع ہوتا تھا۔ روزنامہ امروز میں منو بھائی کا کالم ''گریبان'' خاصا معروف کالم تھا جس کی چبھن ہر درد دل رکھنے والے کو محسوس ہوتی تھی۔ اصلاح کا پہلو بھی غالب تھا اور

مسائل کے حل کا عندیہ بھی۔ منو بھائی پریس کلب کے سلسلہ میں ناصر نقوی کی کاوشوں کو سراہتے تھے، اس سلسلے میں انہوں نے روزنامہ ''جنگ'' میں اپنے کالم ''زیر بن، زبر نہ بن، متاں پیش پوی''، ''بسلسلہ میں تے منو بھائی'' پنجابی کے ساتھ ان کی دلی وابستگی کا اندازہ ان کے کالموں کے ایک تسلسل ''میں تے منو بھائی'' سے ہوتا ہے۔[11] ایک ڈرامہ لکھنے کے سلسلہ میں منو بھائی نے یہ شرط رکھی کہ یہ کھیل پنجابی زبان میں ہو گا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ جس طرح کے کردار چُنے گئے ہیں وہ اپنی ماں بولی میں بات کرتے ہی اچھے لگیں گے۔ دلیل معقول تھی اس لیے کسی بحث کے بغیر منصوبے پر کام شروع ہو گیا اور چند ہفتوں بعد لاہور ٹیلی ویژن سے منو بھائی کا پنجابی سیریل ''کیہ جاناں میں کون'' منظر عام پر آگیا۔ منو بھائی کا ڈرامے کے بارے میں نظریہ یہ تھا کہ ڈرامے میں کوئی گلیمر نہ ہو یعنی نا تو محل نما گھر، نہ لمبی لمبی کاریں، نہ انگریزی لہجے میں بات کرنے والے الٹراماڈرن کردار بلکہ گلی محلے کی کہانی، گلے محلے کے کرداروں کی زبانی ہو گی۔[12]

اسلم اظہر نے منو بھائی کو ٹی وی ڈرامے لکھنے کے لئے مائل کیا۔ منو بھائی نے پاکستان ٹیلی ویژن کے لئے ''سونا چاندی''، ''جھوک سیال''، ''دشت'' اور ''عجائب گھر'' جیسے مشہور ڈرامے تحریر کئے۔ منو بھائی نے پہلا ڈرامہ ''پُل شیر خان''، ۶۵ء کی جنگ کے متعلق لکھا۔ جو ایک فوجی کی کہانی تھی۔ ہندوستانی فوجیں لاہور کی طرف آنے والے راستے پر ایک پُل ''پُل شیر خان پر قبضہ کرنا چاہتی ہیں، جسے فوجی حوالدار شیر خان اُڑا دیتا ہے اور خود بھی شہید ہو جاتا ہے۔ انہوں نے تقریباً پندرہ سلسلہ وار ڈرامے لکھے۔ منو بھائی کی تصانیف میں ''جزیرہ (پنجابی ڈرامہ)''[13]، ''جنگل اُداس ہے (منتخب کالم)''[14]، ''فلسطین فلسطین'' (اُردو شاعری)[15]، عرب دنیا کے مقبول ترین شاعر نزار قبانی کی رومانی شاعری کا ترجمہ ''محبت کی ایک سو ایک نظمیں''[16]، ''اجے قیامت نہیں آئی (پنجابی شاعری)''[17] اور ترکی کے عظیم انقلابی شاعر ناظم حکمت کے طویل منظوم رزمیہ ناول کا ترجمہ ''انسانی منظر نامہ''[18] شامل ہیں۔ ۲۰۱۷ء میں حکومت پاکستان نے موصوف کی خدمات پر انہیں پرائیڈ آف پرفارمنس دیے۔ جہاں تک پنجابی شاعری کا تعلق ہے ایک انٹرویو میں قائم نقوی کو ایک سوال کے جواب میں منو بھائی نے کہا:

> ''پنجابی شاعری میرے خاندان کی روایت ہے۔ بچپن میں اپنی نانی اماں سے اپنے بزرگوں سے شعر سنا کرتا تھا۔ میاں احمد یار میرے نانا سید احمد کے بزرگوں میں سے تھے۔ میاں عبدالستار میری نانی اماں کے ماموں تھے اور شریف کنجاہی میرے ماموں ہوتے ہیں اور

میرے دادا میاں غلام حیدر بھی پنجابی کے شاعر تھے اور انہوں نے ہندوؤں کی مذہبی کتاب گیتا کا منظوم پنجابی ترجمہ بھی کیا ہے۔ میں نے امرتا پریتم، احمد راہی اور شریف کنجاہی سے متاثر ہو کر پنجابی شاعری شروع کی اور پھر مجھے شفقت تنویر مرزا، احمد ندیم قاسمی اور فیض احمد فیض کی حوصلہ افزائی بھی نصیب ہوئی۔"(۱۹)

جہاں تک شاعری کی طرف متوجہ ہونے کا سوال ہے "میں ظفر اقبال اپنے عہد کے فیض احمد فیض کے بعد سب سے مشہور اور مقبول شاعر ہیں، جن سے میں متاثر ہوا ہوں۔"(۲۰) فاضل جمیلی، منو بھائی کے پنجابی شاعری کی طرف رجحان کے حوالے سے بتاتے ہیں:

"منو بھائی نے پنجابی میں اس لیے شاعری کی کہ یہ بحر سے زیادہ لہر میں ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ فیض صاحب نے پوچھا کہ کون سی زبان میں خواب دیکھتے ہو؟ منو بھائی نے کہا پنجابی میں۔ فیض صاحب نے کہا شاعری بھی اسی زبان میں کرنی چاہیے جس میں آپ خواب دیکھتے ہوں۔"(۲۱)

قائم نقوی کو ایک سوال کے جواب میں کہ آپ بنیادی طور پر شاعر ہیں، مگر زیادہ تر لوگ آپ کو بحیثیت کالم نویس یا ڈرامہ نگار کے جانتے ہیں، کیا آپ نے بطور شاعر مقبول ہونا نہیں چاہا؟ منو بھائی نے بتایا:

"مجھے نہیں معلوم کہ میں بنیادی طور پر کیا ہوں۔ یہ حقیقت ہے کہ ابتدائی طور پر شاعر تھا اور شاعر رہنا بھی چاہتا ہوں اور کبھی کبھی شعر کہہ بھی لیتا ہوں۔ مگر کالم نویس اور ڈرامہ نگار کی حیثیت سے زیادہ متعارف اس لیے ہوا کہ اخبارات کا حلقہ ادبی رسالوں سے وسیع ہے اور ٹیلیویژن کا حلقہ اثر اخبارات سے بھی وسیع ہے۔ ایک ٹیلی ویژن کھیل کو جو ملک کے تمام مراکز سے کاسٹ ہوتا ہے، ساڑھے تین کروڑ ناظرین دیکھ سکتے ہیں۔"(۲۲)

پنجابی شاعری کے دوسرے دور کا حصہ ۱۹۵۷ء سے ۱۹۷۲ء تک بنتا ہے جس میں زیادہ تر نام انہی شاعروں کے ہیں جو پہلے دور میں بھی لکھتے رہے۔ اس کے علاوہ کچھ نئے شاعر ان کے ساتھ شامل ہوئے جن میں نجم حسین سیّد، افضل حسن رندھاوا، اقبال صلاح الدین، حفیظ تائب، منو بھائی، تائب رضوی، رؤف شیخ، ماجد صدیقی، سلیم کاشر، سلطان محمود آشفتہ، احمد ظفر، بشیر منذر، رشید انور، عبیر ابوذری، تنویر بخاری، حسن اعرافی، اشرف پال، شفیع عقیل، نذیر چودھری، نادر جاجوی، لئیق بابری اور اسمعیل بھٹی بلکہ اس دور میں اور بہت سارے ادیبوں نے بھی پنجابی شاعری کی طرف دھیان دیا ان میں سے کچھ نے تو

پنجابی کی طرف اتنی توجہ دی کہ وہ پنجابی شاعر کے حوالے سے زیادہ نمایاں ہوئے۔[۲۳] فاضل جمیلی لکھتے ہیں:

''من بھاتے خواب دیکھنا منو بھائی کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔۔۔فیض صاحب کے عقیدت مندوں میں شامل تھے جبکہ کشور ناہید بھی ان کے پسندیدہ شاعروں میں شامل تھیں۔ فیض صاحب ہی کی خواہش پر انہوں نے فلسطینی شاعری کے تراجم کا آغاز کیا۔ طبع زاد شاعری ہمیشہ پنجابی میں کی جبکہ تراجم اردو میں کئے۔ انہوں نے محمود درویش کی شاعری کو اردو میں منتقل کیا لیکن سب سے زیادہ نظمیں فلسطینی شاعر نزار قبانی کی ترجمہ کیں۔۔۔ منو بھائی بھی نزار قبانی کی طرح ایک نئی زبان ایجاد کرنا چاہتے تھے۔ وہ بنے بنائے اور چبائے ہوئے لفظوں سے مختلف الفاظ لکھنا چاہتے تھے۔ وہ ایک ایسی زبان ایجاد کرنا چاہتے تھے جو محبوباؤں کو پوری آئے اور عاشقوں کے ناپ کی ہو۔ وہ لغت سے بہت دور کا سفر اختیار کرنا چاہتے تھے۔ وہ اپنے ہونٹوں اور زبان سے الگ ہونا چاہتے تھے۔ وہ اپنے منہ سے تھک چکے تھے اور ایک ایسا منہ چاہتے تھے جو تبدیل بھی ہو سکے۔ چیری کے درخت اور ماچس میں بدل سکے۔ ایسا منہ جس سے الفاظ یوں اُچھلیں جیسے سمندر سے جل پریاں، جیسے جادوگر کی ٹوپی سے سفید کبوتر۔''[۲۴]

موصوف کی پنجابی شاعری کی کتاب بعنوان ''اجے قیامت نئیں آئی'' کو سنگ میل پبلی کیشنز لاہور نے ۲۰۰۳ء میں شائع کیا، جس کے انتساب میں بھی منو بھائی نے اپنی ماں بولی کے ساتھ محبت کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

موڑوے توں پنج قدماں تے
پنج صدیاں پہلے دا چرخہ
تے
چھ صدیاں پہلے دی چکی
چلان والیاں دے ناں![۲۵]

اس کتاب کے دیباچے میں منو بھائی لکھتے ہیں:

''شاعر ہون دا میں کدی وی دعویٰ نئیں کیتا۔ اجے وی نئیں کر رہیا۔ دعویٰ تے میں کدی وی، کجھ وی ہون دا نئیں کیتا۔ کیتا وی تے کجھ نئیں نا! کجھ کرن واسطے ہور وی بوہت کجھ

کرنا پیندا اے تے میں بوہت کجھ نئیں کر سکدا۔ اپنی طاقت توں وڈا کم کدی نئیں پھڑیا تے اپنے منہ تو وڈی بر کی کدی منہ وچ نئیں پائی۔ شوق تے بوہت کجھ کرن دا ہوندا اے پر صرف شوق ای کافی نئیں ہوندا۔"(۲۶)

اپنے ہم جولیوں کی منو بھائی کی لکنت پر تنقید کی وجہ سے منو بھائی کا بچپن سے ہی میل جول لڑکیوں کی طرف رہا، جو بعض اوقات لڑکوں سے بھی منو بھائی کے لئے الجھ پڑتی تھیں۔ لہٰذا منو بھائی لڑکیوں کے ساتھ ہی کوکلا چھپاکی، کِکلی، چھپن چھوت اور اس طرح کی کھیلیں وغیرہ کھیلتے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ان کی عمر کے بچے کو پتہ نہ تھا کہ یہ لڑکی ہے یا لڑکا ہوں۔ اس سنگت کا نقصان یہ ہوا کہ منو بھائی ساری زندگی عشق نہ کر سکے، معشوق ہی بنے رہے۔ وہ خود لکھتے ہیں:

"کڑیاں دے نال کھیڈن توں وکھ میں اپنے دادا میاں غلام حیدر قریشی دی جھولی وچ لیٹ کے ہیر رانجھا، سسی پنوں، سوہنی مہینوال، مرزا صاحباں، پورن بھگت تے یوسف زلیخا دے قصے تے الف لیلیٰ دیاں کہانیاں وی سنیاں تے آپ وی قصے کہانیاں سوچن تے جوڑن لگ پیا۔ بولن ویلے جیہڑی مصیبت پیندی سی اوہ سوچن تے لکھن ویلے نئیں سی ہوندی۔ 'منیرا تھتھا' اپنے آپ نوں رانجھے، پنوں، مہینوال، مرزے تے سندباد دے روپ وچ ویکھ کے بوہت خوش ہوندا سی۔ اوہدے خیالاں تے سوچاں دی دنیا عام وسیب توں بوہتی سوہنی سی تے سوچاں تے خیالاں دے لوک گلی محلے دیاں منڈیاں توں بوہتے چنگے سن پر ہیراں، سسیاں تے سوہنیاں اپنیاں گلی محلے دیاں کڑیاں ای ہوندیاں سن۔"(۲۷)

پنجابی شاعری کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں:

"مینوں شاعری دے راہ تے میرے یار تے جنم دیہاڑے دے ساتھی شفقت تنویر مرزا نے پایا تے بڑے عجیب طریقے نال پایا۔ ۱۹۵۲ء دے وچ میں تے مرزا گورنمنٹ کالج کیمبل پور (اٹک) وچ پڑھدے ساں۔ میں سیکنڈ ایئر دے وچ تے مرزا فورتھ ایئر دے وچ۔ ایہہ ترقی پسند مصنفین دے ابھار دا زمانہ سی تے اسی وی ترقی پسند ہوندے ساں۔ ملک محمد جعفر تے منظور عارف ساڈے لیڈر ہوندے سن۔ یوم آزادی دا اک جلسہ بسم اللہ ہوٹل دے سامنے بزار وچ ہو رہیا سی جدھی صدارت اوتھے دے ڈپٹی کمشنر شیخ منظور الٰہی نے کرنی سی، جیہڑے بعد وچ نگران حکومت دے وزیر اعلیٰ پنجاب وی بنائے گئے۔

ایس جلسے لئی شفقت تنویر مرزا نے اک اردو نظم اپنے پڑھن واسطے تے دوجی نظم پنجابی وچ مینوں لکھ کے دتی پئی میں اپنے ولوں پڑھاں۔ میں اوس جلسے وچ 'اپنی' نظم پڑھ گیا تے بڑی داد وی وصول کیتی پر مرزا صاحب اجے دوجے بند تے ای اپڑے سن جدوں ڈپٹی کمشنر صاحب نے ''سٹاپ دِس نان سینس'' کہہ کے مرزا صاحب نوں روک دتا تے اوہ نظم پاڑ کے سٹیج توں تھلے لہہ گئے۔ مینوں داد لین دا بڑا مزہ آیا تے نالے کلور کوٹ دے سٹیشن ماسٹر پنڈت وشنو داس شرما دی دھی کوشلیا وی یاد آئی جیہڑی ''رام لیلا'' وچ 'سیتا'' بن دی ہوندی سی تے مینوں ''لچھمن'' بناندی ہوندی سی۔ ۱۹۴۵ء وچ جدوں میں باراں سالاں دا ہوندا ساں تے کوشلیا دے نال ستویں جماعت وچ پڑھدا ساں، میں اوہنوں اپنا اک شعر سنایا تے اوہنے مینوں جپھی مار کے میری کھبی گلھ نوں اکھ توں تھلے چم لیا تے کہیا 'ہور وی شعر لکھ تے مینوں سنا' میں کوشلیا دی ایہہ فرمائش ست سال بعد پوری تے کیتی پر اوہنوں کسے وی طراں سنا نئیں سکدا۔ صرف ایہہ سوچیا کہ اوہ خورے کتھے ہونی اے۔ کدھرے ہونی وی اے یاں نئیں؟''(۲۸)

قمر جمیل کے مطابق شاعری ایک روشنی ہے اور روشنی کو گھر میں مہیا کرنا شاعر کا کام ہے اور شاعر اپنے زمانے سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتا۔ آج کا شاعر فطرت، معاشرہ سے بھی دور نہیں رہ سکتا۔ نئی نظم میں حقیقت شاعر کے دل سے نکلتی ہوئی نظر آتی ہے۔(۲۹) جس طرح ان کی ایک نظم ''سفنے سون نہ دیندے۔''

سفنے سون نہ دیندے
جگدیاں فکراں دے سفنے
ستیاں اکھیاں دے جگراتے
دل چانن وچ بیٹھ کے پھولن
دکھ دی پوتھی غم دے کھاتے
جاگدیاں فکراں دے غم وچ
صدیاں پہلے موئیاں دے غم
جگ دے روگ کلیجے لا کے
سولی نال پرویاں دے غم

پھانڈے موئیاں چڑیاں دے دکھ
تے اس دکھ وچ روئیاں دے غم
بے فکری دی چادر تان کے
لوکاں ستیاں ہائیاں دے غم
ورقہ ورقہ پھول کے روندے
رورو ہنجواں ہار پروندے
سانوں رون نہ دیندے
سفنے سون نہ دیندے (۳۰)

منو بھائی ماحول کا اسیر تھا۔ اس کے کردار جانے مانے کردار تھے۔ دوسرے لفظوں میں اگر یہ کہوں 'منیر اتھتھا' اپنے ماحول سے جدا نہیں تھا، اسے حسے کلچیاں والے، صوبے سیبیاں والے، مودے لوٹیاں والے، الہیٰ سائیکلاں والے، لاڈلہ حلوائی جیسے کرداروں کا بخوبی پتہ تھا۔ اس نے اپنے ڈراموں اور شاعری میں ہمیشہ زندہ کردار شامل کئے اور خود بھی اپنے آپ کو ان جیسا کردار سمجھتا رہا۔ حالانکہ مجھے منو بھائی کے ارشاد کے مطابق ''منیر اتھتھا'' نہیں لکھنا چاہئے کیونکہ اگر کسی طرف سے موصوف کو ٹھنڈی ہوا پہنچی تو وہ لڑکیوں کی طرف سے یا ان کے بچپن کے ہم جولیوں کی طرف سے تھی، جبکہ ان کے ہم عمر انہیں بقول منو بھائی کے ''منیر اتھتھا'' بلاتے تھے، جس سے انہیں بہت پریشانی ہوتی تھی۔ مگر اس پریشانی کا کتھارسس فوری طور پر ہمجولیوں کی طرف سے ہو جاتا تھا۔ ان کی ایک پنجابی نظم ''چنگی لگدی'' میں لکھتے ہیں:

چنگی لگدی، چنگی لگدی، چنگی لگدی
بیٹھی ہوئی سکھیاں دے وچ
سرمے بھریاں اکھیاں دے وچ
جوت پیار دی جگدی
تے جگدی چنگی لگدی (۳۱)

منو بھائی نے معاشرتی ناہمواریوں کا بغور جائزہ لیا ہے اور سماجی برائیوں کی نشاندہی ایسے نشتر سے کی ہے جس سے ان برائیوں کا علاج بھی ممکن ہو۔ ان کا معروف کالم گریبان ان سماجی برائیوں میں اگر سٹریچر کا کام کر رہا تھا تو سرجن کا کام ان کی شاعری نے کیا۔ یہ شاعری خواہ اردو میں ہو یا پھر پنجابی میں۔

ذیل میں پنجابی کی ایک نظم مثال کے طور پر پیش کر رہی ہوں جس میں منو بھائی نے اپنے کردار، اپنے ماحول سے لیے اور آج کے زمانے کی صحیح عکاسی کی، جس طرح ان کی نظم ''مشک بوٹی'' کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سچ کو کس طریقے سے بیان کر دیا گیا ہے کہ علاج بھی ممکن ہو جائے اور تکلیف بھی نہ ہو۔

گلاں وچوں باتاں گئیاں
باتاں وچوں معنی مطلب
قلماں چوں رشنائی
معاف کریں
میرے جھوٹھے مونہوں نکل گئی سچیائی
ایہہ گل کھبی تے اوہ گل سجی
سگرٹ دس روپے دی ڈبی
کھوتے کو ہن قصائی
اندر بوٹی مشک مچایا(۳۲)

جان پھلن پر آئی
جیوے جیوے پاکستان
تے
سوہنی دھرتی اللہ رکھے
واہ واہ طرز بنائی(۳۳)

جو اس ملک کے ساتھ پچھلے ستر سال سے ہو رہا ہے اور جس طرح اس کو لوٹا جا رہا ہے اس کی جھلک اسی نظم کے آخری بند میں نظر آتی ہے۔ جس میں پاکستان کا قیام تو عمل میں آ گیا مگر لوٹ کھسوٹ کا عمل بھی ساتھ ہی شروع ہو گیا۔ اسی تناظر میں منو بھائی نے یہ نظم لکھی ہے۔

اک گل میری پلے بنھ لو
کہن لگا حلوائی
مکھیاں وی اڈ جان گیاں

جدوں مک گئی مٹھیائی (۳۴)

منو بھائی نے جو دیکھا اس کو سوچا، اس کو سمجھا اور اس کو خوب صورت الفاظ کے قالب میں ڈھال کر قاری کے سامنے پیش کر دیا۔ وہ ہم میں سے ہی ایک شخص تھا جس نے معاشرے کی نبض پر ہاتھ رکھ کر اس کی بیماریوں کی نہ صرف نشاندہی کی بلکہ اپنے تجربات کی سوچ میں گوندھ کر دوبارہ معاشرے کے سامنے رکھ دیا اور فیصلہ قاری پر چھوڑ دیا۔ اپنی ایک نظم ''اوہ وی خوب دیہاڑے سن''میں لکھتے ہیں:

اوہ وی خوب دیہاڑے سن
بھکھ لگدی سی
منگ لیندے ساں
مل جاندا سی
کھا لیندے ساں
نئیں سی ملدا
تے روپیندے ساں
روندے روندے سوں رہندے ساں
ایہہ وی خوب دیہاڑے نیں
بھکھ لگدی اے
منگ نئیں سکدے
مل داا ے تے
کھا نئیں سکدے
نئیں مل داتے
رو نئیں سکدے
نہ رویئے تے سوں نئیں سکدے (۳۵)

منو بھائی کے مطابق اگر دیانتداری سے غور کیا جائے تو غربت سے بڑی انسانی معذوری اور کوئی نہیں ہو سکتی اور لاکھوں کروڑوں سے زیادہ لوگ اس معذوری کو معذوری بننے نہیں دیتے بلکہ غربت کو اپنی اضافی اہلیت بنا کر زندگی کے سفر کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ جلدی اور بہتر رفتار سے عبور کرتے ہیں۔ (۳۶) شعری موضوعات کے حوالے سے قائم نقوی کو دیے گئے انٹریو میں منو بھائی نے بتایا:

"مجھے جن موضوعات کے بارے میں علم ہو گا ان ہی موضوعات پر بات کروں گا۔ جو شہر میں نے دیکھا ہی نہیں اس کا سفر نامہ کیسے لکھ سکتا ہوں۔ رومانی عنصر اگر میری شاعری میں نہیں ملتا تو اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ رومانس کے معاملے میں میرے اوپر بہت ظلم ہوا ہے کہ میں ہمیشہ محبوب ہی بنا رہا۔ چنانچہ ہجر، فراق، انتظار کے تجربات سے نا گزر سکا۔ چنانچہ ان کیفیتوں کی اذیتوں کا لطف لینے کے لئے لیلائے وطن کو محبوبہ بنانے کی کوشش کی اور لیلائے وطن کو محبوبہ بنایا جائے تو معاشی، سیاسی اور سماجی صورت حال سے دامن کیسے بچایا جا سکتا ہے۔"(۳۷)

پروفیسر ناہید شاہد مرحوم کے مطابق دراصل کلاسیکی پنجابی شاعری میں رونما ہونے والی فکری، ظاہری، انقلابی تبدیلیوں نے ہی جدید پنجابی شاعری کی پہلی اینٹ رکھی۔(۳۸) منو بھائی کی نظم "اجے قیامت نئیں آئی" میں اس زمانے کے معاشرتی زندگی کے مسائل اور زمانے کے خدوخال بیان کیے ہیں اور ان کے لہجے میں طنز اور مزاح موجود ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں:

پر اجے قیامت نئیں آئی
تاریخ تماشا بھکھاں دا، تہذیب کھڈونا رجاں دا
تنقید جگالی لفظاں دی، تشہیر سیاپا لجاں دا
موسیقی راتب کیتاں دا تے ادب گتاوا مجھاں دا
پر اجے قیامت نئیں آئی
روگ ہزاراں، اکو نسخہ، اکو راہ گزارے دی
مکھن تاند لیانوالے دا ماکھی ضلع ہزارے دی
تیر اں اگے سینہ تانے، جرات جھوٹھ غبارے دی
پر اجے قیامت نئیں آئی(۳۹)

منو بھائی کے نظریۂ زندگی کو سمجھنے کے لئے ان کی نظم "کالے حرف تے چٹے ورقے" کا مطالعہ وقت کا تقاضا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

سوچاں سمجھاں والیو لوکو!
ریت گھڑی دا اک اک دانہ
کر لم کرلی کر دا جاوے

دن راتاں نے چکی جھوئی
دھرتی دا کھوہ گڑ دا جاوے (۴۰)

منو بھائی نے اپنے دوستوں مثلاً اسرار الحق مجاز، فیض کی وفات پر جو شاعری کی اس میں نہ صرف ان کی وفات کا درد محسوس کیا بلکہ یہ بھی بتایا کہ ان کی وفات سے معاشرے کو کیا نقصان پہنچا۔ مثال کے طور پر ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی کے موقع پر جو نظم 'گل عجوبہ' کے عنوان کے تحت لکھی جیسے:

گل عجوبہ بیتے سمے دے مونہوں نکلی ہوئی
بھیس وٹا کے میرے دل دے ویڑے آن کھلوتی
بیتے سمے دی بولی او کھی سمجھ نہ سکیا کوئی
ہوٹھ کسے دے ہس پئے تے اکھ کسے دی روئی
گل عجوبہ ہوئی (۴۱)

اسی طرح فیض کی وفات پر "فیض" کے عنوان سے نظم کا ایک بند ملاحظہ فرمائیں:

چپ، رات نالوں مہربان جیہڑی
سخن، سحر دوپہر دے نوروں رگا
مینہہ جیٹھ دا، دھپ سیال والی
چھاں بوہڑ دی، میوہ کھجور ور گا (۴۲)

ان کی نظمیں "کرتب"، "کالے حرف تے چٹے ورقے"، "پرسوں"، "چنگی لگدی"، "گیت"، "سفنے سون نہ دیندے"، "منزلاں"، "مشک بوٹی"، "خواب سچ ہوندے نیں"، "جگراتے"، "چل ٹر چل گھر میرے"، "سوال جواب"، "نیندر گولی"، "یوسف دی خوشبو"، "گل عجوبہ"، "جنازہ"، "شادو"، "ہووے فجر تے آکھیے بسم اللہ"، "فیض"، "سفنے"، "اجے قیامت نئیں آئی"، "احتساب دے چیف کمشنر صاحب بہادر" آخری دو نظمیں طویل ہیں۔ ان سب نظموں میں منو بھائی نے جو محسوس کیا وہ قرطاس کے سپرد کیا، جو آج ہمارے سامنے موجود ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں، میں نے منو بھائی کے ادب کی طرف رجحان کے بارے میں قارئین کے سامنے ایک جائزہ پیش کیا ہے مگر اس دریا کو کوزے میں اگر سمویا جائے تو ہمیں استاد دامن کے ان اشعار کو بیان کر کے منو بھائی کے کردار کو اس میں سے ڈھونڈنا ہو گا۔

میرے خیال اندر اوہ شاعر، شاعر ہوندا
کھنڈ، کھنڈ، زہر نوں زہر، آکھے
جو کجھ ہُنداا ے، ہووے، نہ ڈرے ہر گز
رحم، رحم نوں، قہر نوں قہر، آکھے
بھانویں، ہستی دی بستی برباد ہووے
جنگل، جنگل نوں، شہر نوں شہر، آکھے
دامن! دُکھاں دے بحر چے جائے ڈُبدا
ندی، ندی نوں، نہر نوں نہر، آکھے (۴۳)

حوالہ جات

۱۔ حسان خالد، عوام کے دکھوں کو زبان دینے والا منو بھائی خاموش ہو گیا، روزنامہ ایکسپریس لاہور، ۲۰ جنوری ۲۰۱۸ء، ص ۱۶

۲۔ قائم نقوی، انٹرویو منو بھائی، تلاش، مدیر: طارق عزیز، کتابی سلسلہ نمبر ا، لاہور، تلاش پبلی کیشنز، ۱۹۸۱ء، ص ۱۵

۳۔ ایضاً، ص ۲۱

۴۔ ایضاً، ص ۱۵

۵۔ فاضل جمیلی، قرطاس ادب، روزنامہ جنگ راولپنڈی، ۲۴ جنوری ۲۰۱۸، ص ۱۸

۶۔ حسان خالد، عوام کے دکھوں کو زبان دینے والا منو بھائی خاموش ہو گیا، محولہ بالا، ص ۱۶

۷۔ منو بھائی، اجے قیامت نہیں آئی، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص ۱۱۔۱۰

۸۔ حسان خالد، عوام کے دکھوں کو زبان دینے والا منو بھائی خاموش ہو گیا، محولہ بالا، ص ۱۶

۹۔ قائم نقوی، انٹرویو منو بھائی، محولہ بالا، ص ۱۶۔۱۵

۱۰۔ حسان خالد، عوام کے دکھوں کو زبان دینے والا منو بھائی خاموش ہو گیا، محولہ بالا، ص ۱۶

۱۱۔ منو بھائی، گریبان، زِیر بن زَبر نہ بن متاں پیش پوی (بسلسلہ میں تے منو بھائی)، روزنامہ جنگ لاہور، ۱۱ نومبر ۲۰۱۷ء، ص ۳

۱۲۔ عارف وقار، منو بھائی کی یاد میں، بی بی سی اردو، لاہور، ۱۹ جنوری ۲۰۱۸

۱۳۔ منو بھائی، جزیرہ، لاہور: پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، ۱۹۷۷ء

۱۴۔ منو بھائی، جنگل اُداس ہے، لاہور: گُل رنگ پبلشرز، ۱۹۸۴ء

۱۵۔ منو بھائی، فلسطین فلسطین، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

۱۶۔ نزار قبانی، تعارف و ترجمہ: منو بھائی، محبت کی ایک سو ایک نظمیں، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء

۱۷۔ منو بھائی، اجے قیامت نہیں آئی، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء

۱۸۔ ناظم حکمت، مترجم: منو بھائی، انسانی منظر نامہ، لاہور: جمہوری پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء

۱۹۔ قائم نقوی، انٹرویو منو بھائی، محولہ بالا، ص ۱۷

۲۰۔ منو بھائی، گریبان، ٹاہنی عمر دی، امن دا آلناوے (بسلسلہ میں تے منو بھائی)، روزنامہ جنگ لاہور، ۹ نومبر ۲۰۱۷، ص ۳

۲۱۔ فاضل جمیلی، قرطاس ادب، محولہ بالا، ص ۱۸
۲۲۔ قائم نقوی، انٹرویو منو بھائی، محولہ بالا، ص ۲۱
۲۳۔ ریاض احمد شاد، شاعری، مشمولہ: آزادی مگروں پنجابی ادب، لاہور: پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، ۱۹۸۶ء، ص ۱۳۶
۲۴۔ فاضل جمیلی، قرطاس ادب، محولہ بالا، ص ۱۸
۲۵۔ منو بھائی، اجے قیامت نہیں آئی، محولہ بالا، ص ۳
۲۶۔ ایضاً، ص ۷
۲۷۔ ایضاً، ص ۹۔۸
۲۸۔ ایضاً، ص ۱۰۔۹
۲۹۔ قمر جمیل، عصری آگہی اور شاعری مشمولہ ادبی زاویے (کل پاکستان اہل قلم کانفرنس لاہور، ۱۹۸۳)، اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، ۱۹۸۴، ص ۱۷۳۔۱۷۲
۳۰۔ منو بھائی، اجے قیامت نہیں آئی، سفنے سون نہ دیندے، محولہ بالہ، ص ۲۴
۳۱۔ ایضاً، چنگی لگدی، ص ۲۱
۳۲۔ یہاں پر حضرت سلطان باہو کے مصرعے ''اندر بُوٹی مُشک مچایا، جاں پُھلاں پر آئی ہو'' پر منو بھائی نے یہ بند لکھا ہے۔ یہاں پر ''بُوٹی'' کی بجائے ''بُوٹی'' پڑھا جائے گا۔
۳۳۔ منو بھائی، اجے قیامت نہیں آئی، مشک بوٹی، محولہ بالا، ص ۲۹۔۲۸
۳۴۔ یہاں شاہ حسین کا یہ مصرعہ اس بند کی بنیاد بنا ''بھلا ہویا گڑ کھیاں کھاہدا، اسیں بھن بھن توں چُھٹیا سے''
۳۵۔ منو بھائی، اجے قیامت نہیں آئی، اوہ وی خوب دیہاڑے سن، محولہ بالا، ص ۲۱
۳۶۔ منو بھائی، گریبان، غربت سب سے بڑی معذوری، روزنامہ جنگ راولپنڈی، یکم اکتوبر ۲۰۰۹ء
۳۷۔ قائم نقوی، انٹرویو منو بھائی، محولہ بالا، ص ۱۸۔۱۷
۳۸۔ ناہید شاہد، اکھ تے اکھر، لاہور: حروف، ۱۹۸۵ء، ص ۹۰
۳۹۔ منو بھائی، اجے قیامت نہیں آئی، محولہ بالا، ص ۶۱۔۶۰
۴۰۔ ایضاً، کالے حرف تے چِٹے ورقے، ص ۱۶
۴۱۔ ایضاً، گل عجوبہ (بھٹو دی یاد وچ)، ص ۴۱
۴۲۔ ایضاً، فیض، ص ۵۰
۴۳۔ استاد دامن، مدون: وحید مرزا، دامن دے موتی، لاہور: فیروز سنز، ۱۹۹۳ء، ص ۱۶۳